رسالہ

غلام علی اللہ

یا

خانہ زادِ خدا

یہ جناب امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کا مختصر حال ہے جس کی سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ قبیلۂ بنی امیہ نے اپنے ذاتی بغض و عداوت کی وجہ سے جو اہلبیتِ رسالت کے معزز ممبر کے حالات پر ڈالا ہے اور جس کو مشغلِ اہم سمجھا جس طرح مدِ نظر رکھا گیا ہے وہ پردہ اٹھا دیا جائے اور اہلِ ذوق کو معلوم ہو کہ کم سے کم اس ایک فضیلت کا علم تو روزِ روشن کی طرح ہو جاتا جس میں حضرت علی علیہ السلام ایسے منفرد ہیں کہ کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔

مقبول پریس دہلی چتلی قبر میں طبع ہوا

قیمت (۲ر) منشی سید ظفر یاب علی جوہر منیجر و پرنٹر و پبلشر اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

مقبول پریس چتلی قبر دہلی میں چھپی

قیمت دو آنے مارچ سنہ ۱۹۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خانہ زادِ خدا

اوپر کی سُرخی بظاہر تین فارسی لفظوں سے مرکّب ہے۔ خانہ گھر کو کہتے ہیں۔ زاد مصدر زادن کا حاصل مصدر ہے جو اسم جامد خانہ کے ساتھ ملکر یہ معنی دیتا ہے کہ ایسے غلام یا کنیز کا فرزند جو خاص مالک کے گھر ہی میں پیدا ہوا ہو، اور اگر غلام و کنیز دونوں ایک ہی مالک کے ہوں تو خانہ زاد کا تعلق مالک سے اور زیادہ ہو جائے گا، پھر اگر مالک کی اجازت سے دونوں کی شادی ہوئی ہے تو اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام دیگا۔ اور لفظ خدا جب تنہا آئے یعنی کسی دوسرے لفظ کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو جیسے دِہ خدا۔ کتخدا۔ ناخدا (ناو خدا) تو اُس کے معنی مالکِ کُل یعنی اللہ کے ہوتے ہیں۔ اب خانہ زادِ خدا کے معنی ہوئے خدا تعالےٰ کے عبدِ خاص و کنیزِ خاص کا فرزند جس کی ولادت خاص الخاص خانۂ خدا یا بیت اللہ میں ہوئی ہو، ہے دُنیا میں کوئی گھر جسے خانۂ خدا یا بیت اللہ ہونے کا شرف حاصل ہو، سوائے کعبۃ اللہ کے جو نافِ زمین میں شہر مکۂ معظمہ کے بیچوں بیچ، صفا و مروہ کے مابین واقع ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے وقت سے لیکر جنہوں نے بموجب امرِ خدا و بمددِ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اسکی بنا فرمائی تھی آجتک زیارتگاہِ عالم اور جنابِ خیر المرسلین و خاتم النبیّین و فخرِ عالم و اشرفِ اولادِ آدم حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وآلہ کے وقت سے برابر مسجودِ بنی آدم چلا آرہا ہے۔ یہ اسی گھر کی خصوصیت ہے کہ اس کو دربارِ ایزدی سے بَیْتِيَ (میرا گھر یعنی خانۂ خدا یا بیت اللہ) کا معزز خطاب اُس وقت مرحمت ہوا جبکہ ابراہیم و اسمٰعیل علےٰ نبینا و علیہما السّلام کو خاص اہل البیت کے عہدہ پر

مقرر فرمایا گیا، چنانچہ ارشاد ہے :- وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ○ اور ہمنے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو اس عہدہ پر مقرر کیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنیوالوں، اور رکوع و سجود کرنیوالوں کے لیے پاک و صاف رکھا کرو۔" بیت المقدس یا بیت المقدس کو یہ شرف ہرگز حاصل نہیں ہوا۔ گو عرصۂ دراز تک وہ بھی قبلہ خاص رہا ہے، مگر بَیْتِیَ (یا بیت اللہ) کا معزز خطاب کلام خدا میں اور زبانِ خدا سے حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام پر بذریعہ وحی خاص اوّل اور خاتم الانبیاءَ علیہ التحیۃ والثنا پر آخر جس کو ملا اور قیامت تک کے لیے ملا وہ کعبۃ اللہ ہی ہے۔ بیت اللہ کا ایک شرف بمقابل بیت المقدس یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بیت اللہ کی اور صرف بیت اللہ کی شان میں فرمایا گیا ہے :- إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ○ "یقیناً سب سے پہلا گھر جو کُل آدمیوں کے نفع کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو بکّہ میں ہے وہ برکت دیا گیا ہے، اور تمام جہان کے لیے ہدایت ہے۔" اس آیت میں چند اُمور قابلِ غور ہیں اوّل یہ کہ یہی گھر سب سے پہلا گھر ہے جو کُل آدمیوں کے نفع کیلئے بنا کیا گیا۔ تو بیت المقدس ہو یا کوئی اور مگر تقدّم اسی کو حاصل ہے، اور اُس کے ساتھ تقدس بھی۔ دوسرے یہ بکّہ میں ہے۔ احادیث کی معلوم ہوا کہ مکّہ تو عام ہے، سارے شہر کی آبادی کو مکّہ کہتے ہیں اور بکّہ صرف اتنی زمین کو کہتے ہیں جسپر بیت اللہ بنا ہوا ہے۔ اتنی ہی زمین کا طواف کیا جاتا ہے، اور اتنی ہی زمین عذابِ خدا یا طوفانِ نوحؑ کے پانی سے محفوظ رہی ہے۔ تیسرے فرمایا کہ یہ گھر برکت دیا گیا ہے یا برکت والا ہے۔ اور کُل عالموں کے لیے یا سارے جہان کے لیے ہدایت ہے۔ کسی گھر کا مبارک ہونا یا سعد ہونا تو سمجھ میں آتا ہے مگر کوئی گھر ہدایت ہو اور ہدایت بھی تمام عالموں کے لیے جنکی تعداد حکمائے سابقین کی تحقیقات کی رو سے تو اٹھارہ ہزار ہے اور حکمائے حال کی تحقیق کے مطابق

تو کچھ حد ہی نہیں، کیونکہ ایک ہمارے نظامِ شمسی میں علاوہ اُن بڑے بڑے سیاروں کے جن کا تذکرہ ہمارے روزمرہ میں داخل ہے بلکہ ہمارے ہفتہ کے دنوں کے نام بھی اُن میں سے بعض کے نام پر ہیں، جیسے بُدھ یعنی عطارد، اور منگل یعنی مریخ۔ ہزارہا ایسے ہیں جن کے متعلق ہم کو اُن کے وجود کے سوا اور کچھ بھی علم نہیں، پھر اُن میں کیا کیا ہے؟ یہ تو اُن کا بنانیوالا ہی جانے۔ اور ہزاروں ہی ایسے ہیں جنکا علم بھی نہیں، یعنی اُن کے وجود کے علم سے بھی ہم لاعلم ہیں۔ حکمائے حال کا بیان ہے کہ شموس یا آفتاب چودہ لاکھ ہیں تو پھر اُن سب کے نظام کتنے ہونگے، اور اُن میں سیارے اور ستارے کتنے؟ اور جب ایک آفتاب کے ایک سیارہ ارض پر اٹھارہ ہزار عالم ہیں تو کُل سیاروں پر کتنے عالم ہونگے؟ سوائے پروردگارِ عالم کے کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں وہ جسے چاہے علم دے سکتا ہے۔ اور جتنا چاہے عطا فرمادے، بہرحال ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ زمین پر ایک پتھروں کا بنا ہوا گھر تمام عالموں کے لیے ہدایت ہو کیونکر سکتا ہی اُن عالموں کا تو ذکر ہی کیا ہے جو دوسرے دوسرے آفتابوں کے نظام میں ہیں، خود ہمارے آفتاب کے نظام میں جتنے سیارے اور اُن سیاروں میں جو جو عالم ہیں اُن سے بھی بحث نہ کیجیے، اسی کُرۂ ارض پر جس کے ہم باشندے ہیں اور جس کے بہت سے عالم ہماری دسترس کے اندر ہیں وہ گھر ان کے لیے ہدایت کیونکر ہے؟

اس سوال کا جواب اور اس شبہ کا حل یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں انسانی محاورہ میں یہ بات داخل ہے کہ لفظوں میں وقت اور مقام کا نام لیا کرتے ہیں اور مُراد وقت والے اور مقام والے ہوا کرتے ہیں یا ظرف بولتے ہیں اور مُراد مظروف ہوتا ہے، مثلاً زبانِ اُردو میں آپ بولتے ہیں کہ آج کڑھائی کھائی گئی تو کون عقل کا دشمن ہوگا جو یہ سمجھیگا کہ آپ وہ لوہے کا ظرف جس کو کڑھائی کہتے ہیں نگل گئے ہونگے بلکہ ہر کوئی سمجھیگا کہ جو چیز اُس میں تلی گئی ہو وہ خواہ گلگلے ہوں خواہ ٹکیاں۔ پوریاں ہوں یا کچوریاں۔ کھجوریں ہوں یا پتوڑے۔ پھلکیاں ہوں یا سموسے۔

وہی آپ نے نوش فرمائے ہونگے، یا مثلاً آپ کہتے ہیں کہ پرنالہ بہہ رہا ہے تو یہ تو آپ کی زبان ہے آپ جس طرح چاہیں تعبیر فرمائیں، ورنہ غریب پرنالہ تو اپنی جگہ قائم ہے۔ ہاں پانی اُس میں سے ضرور بہہ رہا ہوگا، اسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ یہ شہر گیہوں کھاتا ہے۔ وہ شہر جاول کھاتا ہے، تو فرمائیے آپکا مطلب کیا ہے، آیا شہر کے دیوار پاکھے، یا اُس کی خندق و فصیل کچھ کھا جاتے ہیں۔ نہیں، بلکہ اُس کے باشندے آپکی مُراد ہیں، یا ہماری روزمرہ میں داخل ہے کہ صاحب پہلے زمانے بہت اچھے تھے اب تو زمانہ دن بدن ناقص آتا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے وقت تو مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ دن رات تو وہی چوبیس گھنٹے کا اب بھی ہے وہی جب بھی تھا اور وہی خدا تعالےٰ کو جب تک منظور ہے برابر رہیگا۔ علاوہ بریں ہفتہ۔ مہینہ۔ سال۔ گرمی، جاڑا۔ برسات۔ چاند کا نکلنا۔ ڈوبنا۔ گھٹنا۔ بڑھنا۔ سورج اور ستاروں کا طلوع و غروب سب کا سلسلہ برابر ایک ہی ڈھرے پر چل رہا ہے۔ پھر زمانہ میں نقص کیا ہو گیا۔ ہاں ہم میں سے جو بھی زمانہ کو بُرا کہتا ہے اُسکا مطلب ابنائے زمانہ یا اہلِ زمانہ سے ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس محاورہ کا اثر بد یہ پڑا کہ رفتہ رفتہ لوگ خود زمانہ ہی کو فاعلِ حقیقی سمجھنے لگے اسی وجہ سے جناب رسولِ خدا نے فرمایا تھا: لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ الدَّهْرَ هُوَ اللهُ زمانہ کو برا نہ کہو کہ زمانہ تو کوئی بات کرنیوالا نہیں ہے، اُمور سب باختیارِ خدا ہیں، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ پس زمانہ کو بُرا کہنا گویا خدا کو بُرا کہنا ٹھہرا۔ نعوذ باللہ۔ یہ مذمت صرف اُن کی ہے جو زمانہ کو فاعل مستقل سمجھیں، ورنہ جن کی مراد اہلِ زمانہ ہو اُن سے کوئی غرض نہیں وہ تو سب ہی بولتے ہیں۔

ہاں تو اب اس سب گفتگو کا ماحصل نتیجہ یہی نکلا کہ وہ گھر تو خود کیا ہدایت ہوگا ہاں وہ ہدایت ہو سکتے ہیں جو اُسی گھر کے ہوں، اُس گھر سے تعلق چند قسم کے ہو سکتے ہیں، ایک تو

ملکیت کا جیسے کہ خود خدائے تعالےٰ کو ہے باوجودیکہ وہ ہر چیز کا یکساں مالک ہے مگر اس گھر کو جو شرف و بزرگی اپنی ذات کی طرف نسبت دیکر فرمادی وہ اسی کا حصّہ ہے۔ وہ جیسا کہ خالق ہے، رازق ہے۔ محسن ہے۔ مالک ہے، ویسا ہی ہادی بھی ہے، مگر ہمیں تو ایسے ہادی کی ضرورت ہے جس سے ہم بات کر سکیں، جس کو ہم دیکھ سکیں، جسکی عادت و خصلت و خوبو ایسی ہو کہ ہم بھی اخذ کر سکیں۔ پس سلسلۂ اولاد آدم علیہ السلام میں وہ بزرگوار جن کا اس گھر سے ایسا تعلّق ہے کہ وہ اس کے بانی بھی تھے اور اس کے متولّی و محافظ بھی ہوئے، وہ ہادی بھی قرار پائے اور ہادی بھی ایسے کہ نبی بھی تھے، صدیق بھی تھے، عبد بھی تھے۔ رسول بھی تھے، خلیل بھی تھے، تسپر امام بھی مقرر کیے گئے، تو جب اس گھر سے بانی و محافظ و متولّی ہونے کا تعلّق ہونے کے سبب ہادی عالم قرار پائے تو جس کو اس گھر سے ولادت کا تعلّق ہوگا وہ کیسا ہادی ہوگا؟ وہ تو ایسا ہادی ہوگا کہ جسنے خود اس گھر کو بَیْتِیَ (میرا گھر) فرمایا اُسی لے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ "اے رسولؐ! تم تو ایک ڈرانیوالے ہی ہو اور تمام اقوام کے لیے ایک ہادی بھی ہے" لفظ کُلّ عربی زبان میں دونوں معنی میں آتا ہے۔ فرداً فرداً بھی جسکی ہندی ہوئی ہر ہر اور مجموعاً بھی جسکے لیے سب، تمام وغیرہ الفاظ ہیں، اور قوم گو لفظ واحد ہے، مگر باعتبار حیثیت مجموعی معنی رکھتا ہے تو ایسا ہادی جو تمام اقوام عالم کے لیے ہو اسی شرف کا مستحق ہے کہ ایسے گھر میں پیدا ہو۔ بنی آدمؑ میں سے غیر از **علی ابن ابیطالبؑ** یہ شرف کسی کو نہیں ملا کہ اُسکا مولد (زچہ خانہ) یہ گھر قرار پایا ہو۔

بنی اُمیہ کی عداوت اس کی مقتضی تھی کہ جناب امیر علیہ السلام کے ہر شرف کو مٹایا جائے، چنانچہ اس واقعہ کا نہ فقط انکار ہی کیا ہے بلکہ شہر مکّہ میں خانۂ ابوطالب میں

ایک مقام پر "مولدِ علیؑ" لکھکر عام طور پر لوگوں کو دھوکہ دینا مدِ نظر رکھا گیا ہے مگر جسکو کوئی بزرگی خدا تعالےٰ کی طرف سے ملے کس کی مجال ہے کہ اُس سے سلب کر سکے۔ بفضل اللہ لوگوں کے دلوں میں القا ہوا کسی نے قطعہ لکھا۔ کسی نے قصیدہ لکھا۔ بیان کرنیوالوں نے بیان کیا۔ سُننے والوں نے سُنا۔ لکھنے والوں نے لکھا۔ غرض مختلف اہتمام ہو ہوا کر بچہ بچہ کی زبان پر علیؑ کا مولد خانۂ خدا ہونا اور علیؑ کا خانہ زادِ خدا ہونا حدِ تواتر کو پہنچ گیا۔ اب ہم

اصل واقعہ بیان کرتے ہیں، پھر بعض دلچسپ باتیں بیان کرینگے۔

فرقۂ شیعہ کا اعتقاد

ہے کہ معصومین کے ماں باپ وہ سلسلہ اوپر جہاں تک بھی جائے سب خالص خدا پرست ہوتے ہیں، کافر و مشرک ہو ہی نہیں سکتے، اس اعتقاد کی بابت ہم صرف تین دلیلیں ایک عقلی ایک نقلی اور ایک فلسفۂ تاریخی سے پیش کرتے ہیں۔ بہت ہی مسلمانوں کو اس امر کا اعتقاد ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ کی صحبت کی برکت سے اُن کے کُل اصحاب عادل ہو گئے خیال کیجیے کہ جس کی صحبت یہ اثر کرتی ہو تو جن صلبوں اور جن رحموں میں اُس کا نور رہا ہو آیا وہ مرد اور وہ عورتیں خدا سے منحرف ہو سکتے ہیں؟ تخم کی تاثیر اور صحبت کا اثر مشہور بات ہے۔ صحبت کا اثر دیرپا رہے یا نہ رہے۔ مثلاً ڈھاک کے پتوں میں آپ گلاب کے پھول شب بھر رکھیے، یہ صحبت کا اثر ہوگا کہ صبح کو آپ اُن پتوں میں خوشبو بسی ہوئی پائیں گے، مگر پھولوں سے الگ ہونے کے کچھ دیر بعد خوشبو اُڑ جائیگی اور پتے وہی ڈھاک کے تین پات رہ جائینگے۔ مگر تخم کی تاثیر نہیں بدلتی، روح گلاب ایک صدی کے بعد بھی وہی خوشبو دیتی ہے۔ اور تخم سے وہی پھول اور پھول سے وہی تخم پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب دلیل نقلی ملاحظہ ہو۔ خدا تعالےٰ اپنے رسُول سے فرماتا ہے:-

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي
السَّاجِدِينَ ۝ "اور اُس بڑے زبردست بڑے رحم کرنیوالے پر بھروسا رکھو جو اُس وقت (بھی)
کہ دیکھتا رہا جب تم نبوت پر قائم ہوئے اور سجدہ کرنیوالوں (کے صلب و رحم) میں تمہارے
منتقل ہونے کو (بھی دیکھتا رہا)"۔ جن مردوں اور عورتوں کی تعریف خود خدا تعالےٰ اپنی کلام
پاک میں لفظ السّاجدین سے فرمائے اُن کے خدا پرست ہونے میں کسی بندۂ خدا کو تو شک ہو نہیں
سکتا ہاں بندۂ ہوا و ہوس کو جو شک ہو بجا ہے جسکے لیے خود خدائی فیصلہ موجود ہے:-

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ ط أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ
أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ط إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝

"کیا تم نے اُسے دیکھا جو اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالے تو کیا تم اُس کے نگہبان ہو سکتے ہو؟
یا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر سُنتے یا سمجھتے ہیں۔ یہ تو ڈھوروں کے مانند ہیں بلکہ
اُن سے (بھی گئے گزرے) اور زیادہ گمراہ"۔ اب رہی دلیل فلسفۂ تاریخی تو یہ امر تو مسلّمات کے
سے ہے کہ بہت قدیم زمانہ کی ایسی مستند تاریخیں تو لکھی ہوئی موجود نہیں ہیں جیسی کہ مابعد کی
لہٰذا عمارات کے کتبوں سے، زبانی روایات سے، قصص و حکایات سے اور خود مختلف
زبانوں کے لغات سے واقعات کا پتہ لگا لگا کر عقل سے ملایا جاتا ہے، اگر عدالتِ عقل سے
ڈگری مل گئی تو وہ واقعات قابلِ تسلیم مان لیے جاتے ہیں ورنہ رد کر دیے جاتے ہیں۔ اسی
غرضِ خاص سے علم الالسنہ یا فلولوجی مدوّن کیا گیا ہے، مثال کے لیے سُنیے کہ اُردو یعنی
ہندی زبان میں لفظ "ریل پیل" ہونا بتاتا ہے کہ ریل کا وجود کسی حیثیت سے اس مُلک میں تھا
یا لفظ "اُڑن کھٹولا" یا کَل کا گھوڑا بتاتا ہے کہ از قسم بیلون کوئی چیز اس مُلک میں پہلے بھی
تھی، پس جناب رسول خدا کی بعثت کے وقت مُلکِ عرب میں چھ مذہبوں کا وجود ثابت ہوتا ہے

بُت پرست۔ ستارہ پرست۔ آتش پرست یا مجوس۔ یہودی۔ عیسائی اور خدا پرست۔ ثبوت
ان سب کے وجود کا بروئے علم السنہ ہر مذہب کے قائل ہونیوالوں کے نام ہیں۔ مثلاً عبد العزیٰ
عبد اللات۔ عبد یغوث۔ عبد یعوق۔ عبد ود صاف صاف طور پر بُت پرستوں کا اور بُت پرستی
کا وجود ثابت کرتے ہیں۔ تو عبد الشمس۔ عبد القمر۔ عبد الزہرہ۔ عبد المشتری ستارہ پرستوں کا
اور ستارہ پرستی کا۔ عبد النار آتش پرستوں کے وجود کا ثابت کرنیوالا ہے۔ تو عبد العزیر
اور عبد المسیح یہود و نصاریٰ کے بگڑے ہوئے مذہبوں کا گواہ ہے کہ ایک گروہ حضرت عزیر
کو خدا کا بیٹا کہتا تھا تو دوسرا حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم کو۔ مگر غور سے سمجھنے سوچنے اور یاد
رکھنے کا یہ مقام ہے کہ جب کوئی کسی بُت کا بندہ بنا ہوا تھا اور کوئی کسی ستارہ کا۔ کوئی آگ کا
بندہ تھا اور کوئی کسی بندۂ خاص عزیر یا مسیح کا۔ جناب رسولِ خدا کے والد ماجد اُس وقت
بھی عبد اللہ تھے۔ کیوں بندگانِ خدا! خدا لگتی کہنا۔ کیا یہ نام تم کو صاف صاف یہ نہیں
بتلاتا کہ یہ گھرانے کا گھرانا خدا پرست تھا۔ یہاں اس شبہ کا دفع دخل بھی کر دیا جائے کہ
آنحضرتؐ کے دادا کا نام عبد المطلب اور خود عبد المطلب کے دادا کا نام عبد مناف ہے تو مطلب
مناف کا بُوس، یا ستاروں یا آدمیوں کے بنائے ہوئے خدا اور خداوندوں سے کوئی تعلق نہیں
ہے، بلکہ حضرت عبد المطلب کا اصلی نام تھا "شیبۃ الحمد"۔ اُن کے چچا حضرت مُطلب اپنے بڑے
بھائی حضرت ہاشم کی وصیت کے مطابق حضرت شیبۃ الحمد کو اُن کی ننھیال مدینہ منورہ
سے لینے گئے تھے، مگر چونکہ ان کی پیشانی نورانی میں جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کا
نور چمک رہا تھا اس سبب سے بہت سے اہلِ کتاب کفار اُس نورِ خدا کو بجھانے کے درپے
تھے اور حضرت ہاشم اُسی نورِ مبارک کے اثر سے یہ پیشینگوئی کر گئے تھے کہ تم کو راستہ
میں دشمنوں سے سابقہ پڑیگا تو تم اپنے بھتیجے کی حفاظت کرنا، چنانچہ جب یہود ان کفار

نے ان دو چچا بھتیجوں کو راہ میں آگھیرا اور پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ تو حضرت مطلب نے فرمایا کہ یہ میرا غلام ہے، غلام کو عربی میں عبد کہتے ہیں یوں عبد المطلب مشہور ہو گئے۔ یہ ہے **تقیہ** جو حضرت مطلب نے کیا اور جس سے جناب رسول خدا کے دادا جان کی جان بچائی، اور یہی تقیہ ہم پر اعتراض کرنے والے حضرات بھی برابر کرتے رہتے ہیں۔ ابھی جبکہ جنگ یورپ جاری تھی اور سلطان قسطنطنیہ نے جسے اپنے خیال میں خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین تک کہتے ہیں اتحادیوں کے برخلاف اعلان جہاد کر رکھا تھا اگر اُس وقت تقیہ نہ ماننے والے علماء خلیفۃ المسلمین کی پیروی میں جہاد کا فتوے دیدیتے تو ہم بھی جان لیتے کہ وہ تقیہ نہیں کرتے، ورنہ اُن کا تقیہ کرنا روز روشن کی طرح ثابت ہے۔

تقیہ فعل ممدوح ہے اور حکم خدا سے انبیاء وائمہ علیہم السلام نے کیا ہے اور خدا کے نیک بندوں کا وہ اصحاب انبیاء ہوں یا اصحاب ائمہ یا اور دیندار بزرگوار سب کا معمول یہ رہا ہے اور خدا تعالے نے اور اُس کے پیغمبروں نے برمحل تقیہ کرنے والوں کی تعریف کی ہے کہیں اور کبھی کسی کی مذمت نہیں فرمائی، اس کا ثبوت بجائے خود ہم اپنے مضمون **برکات تقیہ** میں انشاء اللہ پیش کریں گے۔ بالفعل تو یہی یاد رکھنا کافی ہے کہ تقیہ سے حضرت عبد المطلب کی جان بچی۔ جو جناب رسول خدا کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے اور آنحضرت کے نو چچاؤں کے والد ماجد تھے، حضرت عبد المطلب کے دس بیٹوں میں حقیقی بھائی کون کون سے تھے؟ اور سوتیلے کون کون سے؟ اس وقت ہم کو سب کی تحقیق کی ضرورت نہیں، صرف یہ جتا دینا کافی ہے کہ جناب رسول خدا کے والد ماجد حضرت عبد اللہ اور جناب امیر المومنین کے والد ماجد حضرت عمران جنکی کنیت ابو طالب تھی یہ دونوں حقیقی بھائی تھے، ایک بھائی کے نام سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خدا کے بندے اور خدا پرست تھے، تو دوسرے کا نام بتاتا ہے کہ

وہ حضرت موسٰیؑ کے والدِ ماجد اور حضرت عیسٰیؑ مسیح کے جدِّ امجد کے ہمنام تھے کہ شبیلِ موسٰیؑ ومثیلِ مسیحؑ وشبیہِ ہارونؑ کی پرورش انہی سے متعلق ہونیوالی تھی، یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا اُس سے شیعوں کا وہ عقیدہ ثابت ہوگیا کہ معصومین کے آبا وَاُمّہات صرف خدا کی عبادت کرنیوالے اور نجاستِ کفر وشرک سے پاک و پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ہاں اتنی بات کا بیان کرنا اور باقی ہے کہ مناف کے معنی ہیں عالی یا خاص۔ تو عبد مناف کے معنی ہوئے عبدِ عالی یا عبدِ خاص یعنی سب سے اعلےٰ کا بندہ۔ جو نہایت واضح طور سے خدا تعالےٰ کو بتلاتا ہے۔ اب احادیث ولادت معصومین علیہم السّلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی معصوم کے لیے صلبِ پدر سے رحمِ مادر میں منتقل ہونے کا وقت آیا تو اس سے پہلے اُن کو کسی نہ کسی ذریعہ سے کوئی جنتی میوہ پہنچا جس سے طینت معصوم بہم پہنچی۔ چنانچہ اطرافِ یمن میں مثرم نام ایک عابد کسی پہاڑ میں رہتا تھا، وہ ایک بڑی عمر کا آدمی تھا اور اُس نے خدائے تعالےٰ سے یہ دعا کی تھی کہ میری وفات سے پہلے اپنے خاص بندوں میں سے کسی بندہ کی زیارت سے مجھے مشرف فرمائیو۔ یہ دعا اُس کی قبول ہوئی اور حضرت عمران جنکی کنیت ابو طالب تھی اور جو ایسے خاص بندے تھے کہ اپنے وقت پر باستحقاقِ خاص خدا کے گھر کے متولی اور خدا کی کل چیزوں کے محافظ از آنجملہ خود رسولِ خدا کے بھی محافظ قرار پائے (ملاحظہ ہو مضمون اہلبیت) اُس کے پاس پہنچے۔ مثرم نے جب ان کا نام پتہ اور مکان معلوم کرلیا تو خدائے تعالےٰ کا شکر ادا کیا اور سمجھ گیا کہ اب اُس کی وفات کا وقت قریب آگیا کہ اس بندۂ خاص کی زیارت میسّر ہوئی۔ اُس نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور انارِ بہشت جو اُس کے پاس تھا ان کو دیا۔ یہ اُسے اپنے گھر لائے اور اُس شب کو اُسے تناول فرمایا جس شب کو نورِ علیِؑ مرتضےٰ صلبِ پدر سے رحمِ مادر میں منتقل ہونے والا تھا۔ حالاتِ ایّامِ حمل کا خلاصہ

یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد بہت کچھ عجائب و غرائب ملاحظہ فرمایا کرتی تھیں مگر سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ جنابِ رسولِ خدا جب تشریف لاتے تو حضرت فاطمہؑ بنتِ اسد خلافِ معمولِ قدیم تعظیماً اُٹھنے پر مجبور ہوتیں، کسی موقع پر حضرت عمران المکنیٰ بہ ابوطالب نے اعتراضاً کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) تو تمہارے بیٹے کی برابر ہے، پھر تم تعظیم کیوں دیتی ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ تو صحیح ہے، مگر تمہیں عجیب معلوم ہوگا میں یہ تعظیم اپنے اختیار سے نہیں کرتی، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو میں کبھی پہلے بھی کرتی بلکہ جو جنین (بچہ) میرے پیٹ میں ہے یہ مجھے مجبور کرتا ہے۔ حضرت ابوطالبؑ کو وہ بات خود عجیب معلوم ہوئی ہو یا نہ کیونکہ یہ مظہر العجائب کے والد اُس نور کے اثر سے جو ان کے صلب میں رہ چکا تھا جانتے تو سب کچھ تھے مگر دوسروں کو جتا دینا اور اوروں کے شکوک رفع کر دینا مدِنظر تھا۔ چنانچہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد نے جو کچھ فرمایا تھا اُس کی جانچ کے لیے حضرت ابوطالبؑ نے اپنے دو سوتیلے بھائیوں حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کو اس امر پر مامور فرمایا کہ تم دونوں اپنی بھاوج کے شانوں پر ہاتھ رکھے کھڑے رہو اور جب تمہارا بھتیجا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سامنے سے آئے اور یہ اُٹھنا چاہیں تو خبردار ان کو اُٹھنے نہ دینا۔ یہ دونوں نوجوان تھے، قوی تھے۔ بڑے بھائی کا حکم بھی خاص تھا، بھاوج نے جو وجہ ظاہر کی تھی وہ ان کو بھی عجیب معلوم ہوئی تھی، اس لیے خیال بھی خاص تھا کہ ہم کسی طرح بھی نہ اُٹھنے دینگے۔ جو بچہ پیٹ میں ہے اُس کی بھلا کیا طاقت کہ ہماری شیرانہ قوت کا مقابلہ کرے۔ مگر اِدھر جنابِ محمد (مصطفیٰ) سامنے سے آئے اور اُدھر حضرت فاطمہ بنتِ اسد اس زور سے تڑپ کر اُٹھیں کہ اُن کو روکنے والے اُن کے دونوں دیور ایک اِدھر اور ایک اُدھر چاروں شانے چت نظر آئے، ہمارا یہ خیال ہی خیال نہیں ہے کہ حضرت ابوطالبؑ اس بچہ کی قوت خداداد کی

واقف تھے، بلکہ یہ کامل قرینہ اس امر کا موجود ہے کہ روکنے پر دوسروں کو مقرر کر کے خود اُن کا تعجب بھی رفع کر دیا۔ اور زائروں کا تعجب رفع کرنے کے لیے دو گواہ بھی پیدا کر لیے اپنے آپ کو اُس قوت کی زد میں آنے سے بھی محفوظ رکھا، اور چونکہ خود جسمانی باپ بھی معصوم ہونے والے بیٹے پر باپ کا لحاظ نہ کرنے کا الزام بھی نہ آنے دیا۔ اور اُس کے فرض منصبی میں کہ وصی کو نبی کی تعظیم لازم ہے کوئی خلل بھی نہ پڑنے دیا۔

ایامِ حمل ختم ہونے پر کسی الہامِ خاص کے سبب سے حضرت فاطمہ بنت اسد خانۂ خدا کی زیارت کو گئیں، اور طواف میں مشغول تھیں۔ آخری شوط میں مستجار کے قریب جہاں اب تک رکن یمانی پر پردہ بغیر سلا رکھا جاتا ہے درد زہ کی کیفیت محسوس کر کے وہیں سے خانۂ خدا کا پردہ پکڑ کر دعا کی کہ اے میرے باپ (ابراہیمؑ بانیٔ خانۂ کعبہ) کے خدا! مجھ پر یہ ولادت کا مرحلہ آسان فرما۔ (حضرت فاطمہ بنت اسد کے اب تک کئی بچے ہو چکے تھے، مگر اُنہوں نے کبھی ایسی دعا نہ کی تھی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ جیسے اس بچے کو عجیب سمجھ چکی تھیں، اُس کی ولادت کے مرحلے کو بھی خاص جانتی تھیں جس کے لیے یہ خاص دعا کی) قبولیتِ دعا اس صورت میں ظاہر ہوئی کہ جہاں سے پردہ پکڑا تھا وہیں سے دیوار شق ہو کر ایک نیا دروازہ کھل گیا، اور ساتھ ہی یہ آواز بھی آئی کہ اے فاطمہ بنت اسد اندر آجاؤ ان کا اندر تشریف لیجانا تھا کہ دیوار جہاں سے شق ہوئی تھی، وہیں سے پھر مل گئی۔ جو لوگ صحن کعبہ میں حاضر تھے، یہ واقعہ عجیب دیکھ کر شیبی کے پاس پہنچے، جسکے ہاں خانۂ کعبہ کی کنجی عرصۂ دراز سے چلی آتی تھی، اور اب تک بھی اُسی کے خاندان میں ہے۔ وہ دوڑا ہوا آیا۔ اُسنے قفل کھولا۔ کھل گیا۔ کنڈی کھولی کھل گئی۔ اب جو دروازہ کھولنا چاہا نہ کھلا پر نہ کھلا معلوم ہو گیا کہ دربان کا اختیار قفل اور کنڈی تک محدود ہو سکتا ہے، آگے اختیار

مالک کا ہے کہ دروازہ اپنے گھر کا کھلنے دے یا نہ کھلنے دے، چنانچہ نہیں کھلنے دیا
حضرت فاطمہ بنتِ اسد تین دن خدا کے گھر میں مہمان رہیں۔ تین دن کی مہمانی یہیں سے
مسنون قرار پائی۔ خانۂ خدا کے اندر اس عرصہ میں دُنیا کا کوئی اور شخص نہ جا سکا۔ لامحالہ
اندر جو کیفیت گزری، وہ انہی کی زبانی تمام عالم کو تسلیم کرنی پڑے گی۔ جناب علی مرتضٰی اُن دو
ستونوں کے مابین پیدا ہوئے جو خانۂ خدا کے اندر اب بھی موجود ہیں۔ حضرت حوا، حضرت
سارہ، حضرت ہاجرہ۔ حضرت کلثوم خواہر موسٰی۔ حضرت مریم مادرِ عیسٰی علاوہ بہت سی حوروں
اور پیمبروں کی رشتہ دار عورتوں کے خدمتِ قابلہ اور مصاحبتِ حضرت فاطمہ بنتِ اسد
انجام دینے کے لیے حاضر تھیں۔ بہشتی طشت۔ بہشتی آفتابہ۔ بہشتی رومال۔ بہشتی کپڑے
خانہ زادِ خدا کے لیے اور بہشتی میوے۔ بہشتی کھانے خدائی مہمان کے لیے۔ حوریں اور غلمان
حسبِ ضرورت حاضر کرتے تھے، خانہ زادِ خدا نے پیدا ہو کر آنکھ نہیں کھولی مصلحت آگے معلوم
ہوگی، اُن مقدس خاتونوں کے ہاتھ سے غسلِ ولادت پا کر جنتی لباس سے آراستہ ہو کر اُمہات
طاہرات کے ہاتھوں سے آبائے طاہرین کے ہاتھوں میں پہنچے۔ یعنی حضرت آدمؑ۔ حضرت
ابراہیمؑ۔ حضرت اسمٰعیل۔ حضرت موسٰی وبعض دیگر انبیائے معصومین آئے تھے۔ ان میں
سے ہر بزرگ نے اپنے اپنے ہاتھوں میں لیا، پیار کیا، خوش ہوئے۔ اُن کی مادر گرامی کو
مبارکباد دی۔ پھر فرشتوں کا نمبر آیا۔ باری باری سے مختلف شکلوں کے فرشتے آتے
تھے اور خانہ زادِ خدا کو لیجاتے تھے۔ حضرت فاطمہ بنت اسد مختلف آوازیں سُنتی تھیں،
کبھی یہ آواز سُنی کہ اس مولود کو عرش پر لاؤ، کہ سکانِ عرش مشتاقِ زیارت ہیں۔ کبھی
یہ سُنا کہ اس مولود کو کرسی پہ پہنچاؤ کہ ملاءِ اعلٰی کے رہنے والے اس کی زیارت کرینگے
کبھی آسمانِ ہفتمیں پر اس کی طلب ہوئی، تو کبھی لوح کے قریب۔ کبھی قلم کے پاس۔ کبھی

فردوسِ بریں میں بلائے گئے، تو کبھی سدرۃ المنتہیٰ تک انتہا پہونچی، نتیجہ یہ کہ تیس دن کے سن میں اُس عالم کی ایسی سیر کی کہ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ "سَلُوْنِي عَنْ طُرُقِ السَّمَاءِ فَإِنِّي أَعْلَمُ بِهَا مِنْ طُرُقِ الْأَرْضِ" مجھ سے آسمان کے راستوں کا حال پوچھ لو کہ میں زمین کے راستوں کی نسبت اُن سے زیادہ واقف ہوں" یہ تو آپ نے اندرخانہ کا مختصر حال سُنا۔ اب باہر والوں پر کیا گزری شہر مکہ میں تو اس انوکھی خبر کا غل مچ ہی گیا تھا، مگر نہیں آس پاس کے قریات و قصبات میں بھی یہ خبر پہونچگئی تھی، اور لوگ جوق جوق چلے آتے تھے اور ہمہ وقت ٹھٹھ لگے رہتے تھے کہ دیکھیے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ چونکہ امام غائب کو اسی نسل سے پیدا کرنا منظور تھا اس لیے ولادت کے بعد ظہور و خروج کا منتظر رہنا یوں سکھلا دیا۔ گو صاحب علم وقت ظہور سے پہلے نہیں آئے، اُدھر ظہور کا وقت پہونچا اُدھر خدا کا نبی اپنے عم مکرم خانہ زادِ خدا کے والد ماجد کو ہمراہ لیکر خانۂ خدا میں آیا، تو دنیا میں جہاں خدا تعالے کے خاص بندے پہنچیں وہاں شیطان کا کوئی ایجنٹ نہ پہنچے بھلا یہ کب ہو سکتا تھا، ابو جہل ان بزرگوں سے پہلے اپنی خود ایجاد کردہ خدمت انجام دینے کے لیے ڈٹا ہوا تھا، وہ خدمت اُس نے اپنے ذمہ خود بخود یہ لے رکھی تھی کہ عالی خاندان قریش کے گھرانوں میں جو بچہ پیدا ہوتا اُس کی آنکھوں میں بُتوں کے قدموں کے نیچے کی خاک یہ ایک سلائی کے ذریعہ سے لگا دیا کرتا تھا یا اپنی اس خدمت کو انجام دینے کے لیے اس درجہ آمادہ تھا کہ ادھر جناب پیغمبر خدا کا داخلہ ہوا اُدھر دیوار پھر اُسی جگہ سے شق ہوئی اور حضرت فاطمہ بنت اسد نے آواز سُنی کہ "اے فاطمہ بنتِ اسد! اس بچہ کو لیکر باہر جاؤ" یہ تعمیلِ حکم میں فاطمہ بنتِ اسد اپنے ہاتھوں پر بچے کو لیکر نکلی ہیں، اور آنحضرت اپنے وصی کو لینے گود پھیلا کر چلے ہیں کہ شیطان کے ایجنٹ نے خدا کے نبی سے آگے بڑھ جانے کی جرأت و گستاخی کی اور آگے بڑھکر دیکھا کہ بچے کی آنکھیں بند ہیں

مگر وہ اپنے ارادہ سے کب باز آنے والا تھا، چاہا کہ جبراً آنکھیں کھلوائے، زور جو کرنے لگا تو خانہ زادِ خدا یعنی یداللہ نے اپنے بائیں ہاتھ سے ایک طمانچہ ایسا لگایا کہ ابو جہل نے تو زمین دیکھی اور خدا کے نبی کا راستہ صاف ہو گیا، آنحضرتؐ نے اُس مولودِ مسعود کو حضرت فاطمہ بنت اسد کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں پر لے لیا۔ پیشانیٔ مبارک کا بوسہ لینے کے لیے جیسے ہی روئے انور کو جھکایا اور خوشبوئے نبوّت مشامِ امامت میں پہنچی فوراً آنکھیں کھول دیں اور خانہ زادِ خدا کی نظر پہلے جس چیز پر پڑی وہ جمالِ باکمالِ نبیٔ آخر الزمان سید الانس والجان تھا، بیرم خانِ خانخاناں اپنے قصیدے میں اسی واقعہ کے متعلق فرماتے ہیں ؎

بجز رسولؐ بروئے کسے نظر نکشاد   کہ از ازل نظرے داشتہ بمنظرِ او

عینِ نور جو صلب عبد المطلب میں تقسیم ہو کر عمران و عبد اللہ میں پہنچا تھا اب علیین سے نکلکر خانۂ خدا کے متصل پھر ایک جا جمع ہو گیا، یا ولی اللہ نبی اللہ کے ہاتھوں میں پہنچا، اور نبی اللہ نے نہ فقط پیشانیٔ نورانی کا بوسہ ہی لیا بلکہ اپنی زبان مبارک ولی اللہ کے دہنِ اقدس میں پہنچائی، اس کا چوسنا تھا کہ رتبۂ لسان اللہ حاصل ہو گیا، اور نبی اللہ کو کلام اللہ سُنانا شروع کیا۔ کیا کیا سُنایا اور کتنا کتنا سُنایا یہ تو سُننے والا اور سُنانے والا ہی خوب جانتے ہیں مگر مضمونِ ہذا دیکھنے والوں کا تعجب رفع کرنے کے لیے اور اگر کسی کو اعتراض سوجھے تو اُسکا اعتراض دفع کرنے کے لیے ہم کتابِ خدا اور کلامِ رسولِ خدا سے صرف ایک ایک دلیل پیش کر دیتے ہیں، خدا تعالےٰ تو یہ فرماتا ہے :- وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝ "اور جو لوگ کافر ہو گئے" وہ یہ کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو، جواب میں تم یہ کہدو کہ میرے اور تمہارے مابین گواہی دینے کو ایک تو اللہ کافی ہے اور ایک وہ شخص جس کے پاس کُل کتب کا علم موجود ہے"

خانہ زادِ خدا کے پاس کُل کُتب کا علم تھا تب ہی تو آنحضرتؑ نے یہ دعوے کیا ہے سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ "پوچھ لو مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہے قبل اس کے کہ مجھے کھو بیٹھو" نیز فرمایا کہ اگر میرے لیے مسندِ قضا بچھائی جائے تو اہلِ توریت کے لیے اُن کی توریت سے اور اہلِ انجیل کے لیے اُنکی انجیل سے اور اہلِ زبور کے لیے اُن کی زبور سے اور اہلِ قرآن کے لیے اُن کے قرآن سے ایسا فیصلہ کروں کہ ہر کتاب کے جاننے والے اور ماننے والے بے تامّل تسلیم کرلیں، اور جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا "میں تو علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے"

اسی سبب سے تو شاعر کہتا ہے :- خدا کے گھر میں جو پیدا ہوا ہو اُسکو کیا کہیے ۔ اسی پر سوچیے گا اولا اصلِ علے کہیے

اچھا۔ اب وہ دلچسپ باتیں بھی سُن لیجیے، اور نمبر بہ نمبر سُنیے کہ لُطف زیادہ ہو :-

(۱) بنی اُمیّہ کے طرفداروں کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ جناب امیرؑ کی اس فضیلت کو مٹا نہیں سکتے، چھپا نہیں سکتے، مثل اُن حضرتؑ کے القاب کے اوروں کو تقسیم نہیں کر سکتے، تو لاؤ کوئی سہیم و شریک ہی پیدا کر دیں، تاکہ کم از کم کہنے کو یہی بات ہو جائے کہ جناب علی مرتضےٰ اس فضیلت میں منفرد نہیں ہیں لہٰذا تاریخ کی کتابیں اُلٹ پلٹ کر دیکھیں اور بڑی تلاش سے ایک واقعہ ڈھونڈ کر نکالا کہ حکیم ابن حزام بھی کعبہ میں پیدا ہوا تھا، ہم نے بھی اس واقعہ کی تحقیق کی تو صورتِ واقعہ یہ معلوم ہوئی کہ اُس کی ماں حاملہ تھی طواف کی نیت سے آئی تھی۔ نواں مہینہ لگ چکا تھا۔ گویا پورے دنوں تھی طواف کے موقعہ پر بھیڑ اکثر ہوتی ہی ہے۔ بیچاری مصیبت کی ماری اس دھکا پیل میں گر پڑی، اور اسی حال میں بچہ پیٹ سے نکل پڑا۔ اوّل تو یہ واقعہ مطاف میں ہوا۔ یعنی بیت اللہ کے گرداگرد جو ۲۲½ ہاتھ عریض حلقہ طواف کرنیکا معین ہے، اُس میں ہوا۔ کُجا وہ زمین اور کُجا زمین جگہ جو اندرونِ خانہ کعبہ واقع ہے۔ دوسرے کہاں دھکا پیل میں گر کر اضطراری ولادت ہو جانا، اور کہاں خانہ کعبہ کی دیوار شق کر کے نیا دروازہ کھولنا۔ اور اپنی کنیزِ خاص کو اندر بُلا کر مہمان رکھنا۔ کھانا پینا وغیرہ ضروریات کی خبر گیری کرنا۔ بول و براز

وغیرہ ہر طرح کی نجاسات سے پاک وپاکیزہ رکھنا، پھر تین دن کے بعد اُسی نئے دروازہ سے رخصت کر دینا۔ اس ولادت کو اُس ولادت سے عقلاً جو نسبت ہو سکتی ہے اُس کی ایک مثال یاد آگئی۔ جبکہ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ "کل اعمال نیتوں پر موقوف ہیں" یعنی کسی عمل کیلیے نیّت کا خود عمل سے مقدم ہونا شرط ہے، مثلاً اگر آپ کو روزہ رکھنا ہے تو لازم ہے کہ پہلے سے نیّت یا ارادہ رکھنے کا ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے کسی دُنیوی کاروبار میں اُلجھے رہے، کھانے پینے کا ہوش نہ رہا یا فرصت ہی نہ ملی۔ شام کو کہدیا کہ خیر آج روزہ ہی ہوا سہی۔ تو خدا کے نزدیک یہ روزہ ہرگز نہیں ہوا۔ فاقہ کہیے تو منظور۔ چنانچہ فرقہ شیعہ کے نزدیک آنحضرتؐ کے فرمان مذکورۂ بالا کے بموجب ہر عمل کے لیے مقدم شرط نیّت ہے برخلاف اسکے امام ابوحنیفہ صاحب کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی نہر یا دریا یا بڑے حوض کے کنارے جسکا طول وعرض دس ہاتھ سے دس ہاتھ کا ہو، حالت جنب میں کھڑا ہو یا چلا جارہا ہو اور اُسکا کوئی دوست جان بوجھکر یا مذاق سے یا یونہی اُسے ایک دھکا دیدے کہ وہ پانی میں گر پڑے تو یہ اُس جنب کا غسل ہو گیا۔ بس جن حضرات کے نزدیک ایسا دھکے کا غسل جائز ہے وہ اس دھکے کی ولادت کو بھی موجبِ فخر سمجھیں تو سمجھیں کسی عقلمند کے نزدیک تو نہ یہ فخر کی بات ہے نہ شمار میں آنے کے قابل بلکہ قابل فخر واقعۂ ولادت کے مقابلہ میں اسکا ذکر کرنا بھی موجبِ شرم ہونا چاہیے۔ اس مضمون کو پڑھنے اور دیکھنے والوں سے اگر کوئی اس تاریخی واقعہ کا حوالہ مانگے تو اُس کا سوال اُسی پر لوٹ دینا چاہیے جس تاریخ قدیم میں حکیم ابن حزام کی ولادت کا ذکر لکھا ہے اُسی میں یہ واقعہ اسی شان سے لکھا ہے جیسا کہ ہمنے بیان کیا۔ جب اعتراض کرنیوالے صاحب وہ دکھلائینگے آپ بھی اُن کو دکھا سکینگے اگر زمانۂ حال کا کوئی اردو کا رسالہ دکھائیں اُس کے جواب میں آپ بھی یہ رسالہ دکھادیں۔ والسلام۔

(۴) قرآن مجید میں صاف حکم موجود ہے وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا "اور گھروں میں اُن کے

دروازوں سے آئیں! باوجود اس کے حضرت فاطمہ بنت اسد کے لیے ایک نیا دروازہ کھولا گیا یہ کیوں؟ معمولی دروازہ پر اکتفا کیوں نہ کی گئی؟ اوّل تو اس سوال کا جواب دینا خود مالکِ مکان کی ذمہ ہے جس نے ایسا کیا۔ مگر چونکہ خانہ زادِ خدا کی عداوت یا اُن کے دشمنوں کی محبت اُنکے دشمنوں کو ایسا سوال کرنے پر مجبور کرتی ہے لہذا اُن کے سوالی جواب دینے میں کیوں کوتاہی کریں سُنیئے۔ بالفاظِ ظاہر یہ حکم غیروں کے متعلق معلوم ہوتا ہے، آپ جب کسی کے گھر جائیں اگر اس حکم کی تعمیل کے بموجب جائینگے تو بھلے مانس سمجھے جائیں گے اور اگر اس کے خلاف کیا کہیں دیوار پھاند کر پہنچے یا کو نبھل لگا کر گئے تو آپ خود ہی خیال فرمائیں کہ آپ کیا سمجھے جائینگے بخلاف اس کے مالکِ مکان کو اپنے مکان میں ہر وقت اور ہر طرح کا اختیار حاصل ہے جاہے جس طرف کی دیوار تڑوا دے چاہے جدھر دروازہ کھلوائے۔ پس خدائے تعالےٰ نے اپنے خانہ زادِ خاص کا استحقاقِ ملکیتِ بیت اللہ اس طرح ثابت کر دیا کہ کسی کو عذرِ دم زدن باقی نہ رہے۔ کیونکہ اگر بوقت فتح مکہ خود ان کے ہاتھ سے کوئی ایسی بات ہوتی تو اُس میں ظاہر بظاہر فعلِ خدا کی شرکت ثابت نہ ہوتی۔ مگر قبل ولادت ان کی والدہ کے داخلہ کے لیے اس دروازۂ نو کا کھلنا اور بعدِ ولادت ان کو ہاتھوں پر لیکر نکلنے کے لیے پھر اُسی دروازہ کا کھُلنا بلا مخصوص ارادۂ پروردگارِ عالم ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ لہذا نتیجہ کم مقصد از انشائے کعبہ خاص میلادِ تو بود ورنہ مشخص لامکاں را خانہ کے باشد روا

دوسرے وہ دروازہ عام تھا۔ عام بندوں کی آمد و رفت کا تھا۔ اُنکی ولادت بھی عام طور پر ہوئی تھی۔ یہ بندہ خاص تھا۔ اس کی ولادت بھی خاص طور پر ہوئی تھی، لہذا اس کے لیے دروازہ بھی خاص ہی کھولا گیا۔ تیسرے چونکہ آئندہ بابِ نبوّت بند ہونیوالا تھا، اور بابِ علوم انبیاء کھلنے والا تھا اور اس خانہ زادِ خدا کو بابِ مدینۂ علمِ نبوّت کا خطاب ملنے والا تھا اُسکا پیشتر سے یہ اہتمام فرما دیا گیا کہ اُسکی ولادت کی خاطر خاص دروازہ کھولکر اُس کے دروازۂ خاص ہونے کے خطاب کی توضیح فرما دی

کہ یہ بابِ ہدایت بھی ہے۔ بابِ مدینۂ علم بھی ہے۔ اور بابِ حطّہ بنی اسرائیل سے مشابہت تامّہ رکھنے والا بھی ہے۔ اسی سبب سے مولوی فرزند علی خاں صاحب فرّخ مرحوم فرماتے ہیں :۔

جُز درِ شہرِ علوم مصطفےٰؐ جہل است جہل + آرزوئے فتح باب از بابِ دیگر داشتن

(۳) اُس گھر کے اندر آنکھیں نہیں کھولیں، کیوں؟ ایک وجہ تو معلوم ہو ہی چکی۔ دوسری شاید یہ بھی ہو کہ اس گھر کے اندر بھی بُت اور اسکی دیواروں پر بعض تصویریں بھی تھیں اُنپر نظر نہ پڑ جائے مگر وہاں تو حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت اسحٰقؑ۔ حضرت موسےٰؑ حضرت ہارونؑ جیسے انبیاء معصومین اور حضرت حواؑ۔ حضرت سارہ۔ حضرت ہاجرہؑ۔ حضرت کلثمؑ حضرت مریمؑ۔ حضرت آسیہ بنتِ مزاحم جیسی برگزیدہ خواتین موجود تھیں۔ علاوہ بریں فرشتے بھی تھے، حوریں بھی تھیں، غلمان بھی تھے، ان متبرک بزرگوں پر اگر اوّل ہی اوّل نظر پڑتی تو کیا خرابی تھی، مگر نہیں ان میں سے کسی کی شان بھی جناب خیر الانام کی شان کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ لہذا خانہ زاد خدا آنکھ کھولکر پہلے پہل جسکو دیکھے وہ ایسا ہونا چاہیے جسکا لقب ہو وجہ اللہ اور جسکی سچی توجیہ ذیل کے شعر میں موجود ہے :۔

جنابِ محمدؐ کا خود یہ بیاں ہے + جو بندہ نہ ہوتا خدائی نہ ہوتی

(۴) تین دن کے بچّے نے ابوجہل کے طمانچہ رسید کیا۔ اور پھر بائیں ہاتھ سے۔ اور پھر اس زور سے کہ ابوجہل سا قوی الجثّہ زمین پر گر پڑا۔ تعجب کرنیوالوں کو جتنا تعجب ہو تھوڑا ہے۔ ہونا ہی چاہیئے خواص کے حالات پر عوام کو تعجب ہونا کچھ بھی جائے تعجب نہیں ہے۔ قرآن مجید گواہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جنکی شان میں خدائے تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ "مسیح ابن مریم سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ خدا کا رسول ہے اور اُسکا کلمہ" یہ صرف تین ساعت کے تھے جب ان کی والدہ ان کو گود میں لیئے ہوئے آئیں اور انکی قوم معترض

ہوئی، جیسے خدا تعالےٰ یوں بیان فرماتا ہے :۔ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا ۝ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ۝ پس حضرت مریمؑ اُس (بچہ) کو لیے ہوئے اپنے لوگوں کے پاس آئیں تو وہ بولے کہ اے مریم! یہ تو تم نازیبا چیز لائیں۔ اے مقدس عورت! نہ تو تیرا باپ کوئی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی (پھر یہ کیا ہے؟)" چونکہ ان کو پہلے ہی حکم ہو چکا تھا فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ۝ "پھر اگر تم کو کوئی آدمی نظر پڑ جائے تو اُس سے (اشارہ سے) کہہ دینا کہ میں نے (خدائے) رحمٰن کے لیے (خاموش رہنے کا سُنتی) روزہ رکھ لیا ہے لہٰذا میں آج کسی انسان سے ہرگز بات نہ کرونگی" اس حکم کی تعمیل حضرت مریمؑ نے جس طرح کی خدا تعالےٰ فرماتا ہے فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ۝ "پس مریمؑ نے اُس (بچہ) کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ بولے کہ ہم اُس سے کیونکر بات کریں جو (ابھی) گہوارہ میں بچہ (ہی) ہے" مگر یہ بچہ کوئی معمولی بچہ نہ تھا۔ یہ بچہ وہ بچہ تھا جو خدائے تعالےٰ اپنا کلمہ ارشاد فرماتا ہے، لہٰذا اس سے کلام کا معجزہ فوراً صادر ہوا جیسے خدا تعالےٰ یوں بیان فرماتا ہے :۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وہ (بچہ بقدرت خدا) گویا ہوا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، وہ مجھے کتاب عطا فرمائیگا اور وہ مجھے نبی قرار دیگا"

اس میں ماضی بمعنی مستقبل ہے، اور یہ اُس موقع پر استعمال کی جاتی ہے جہاں وہ فعل حتماً واقع ہوگا کوئی شک و شبہ اُس کی ہونے میں نہ ہو۔ المختصر نتیجہ یہ نکلا کہ جسے خدا تعالےٰ نے اپنا کلمہ فرمایا تھا وہ تین ساعت کا تھا تو اُس سے معجزۂ کلام صادر ہوا، اب جبکو خدا کے آخری نبی و سید المرسلینؐ نے ید اللہ خطاب دیا ہو اُسنے اگر تین دن کی سن میں خدا کے دشمن اور جناب رسولِ خدا کے دشمن کو اُسکی بے ادبی کی سزا اپنے ہاتھ سے دیدی ہو تو جائے تعجب کیا اور کیوں؟ بائیں ہاتھ سے طمانچہ لگانے میں بھی کچھ مصلحتیں ہونگی، ظاہراً ایک تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ استنجے کے لیے بایاں ہاتھ موزوں ہے، تو اس نجس مشرک کی جسم کو چھونے کے لیے بھی یہی مناسب تھا

دوسرے بائیں ہاتھ کا طمانچہ دائیں رخسارہ پر پڑا کرتا ہے ایسا ہی ہوا تھا، کیونکہ اُس کی گردن میں کجی آگئی تھی، جو زندگی بھر نہیں گئی، پس اُنکی گردن ذرا بائیں طرف کو مڑی رہا کرتی تھی، جتنے متکبر و مغرور ہیں چونکہ اس امر خاص میں اُس کے پیرو ہوتے ہیں، جب جی چاہے نظر ڈالکر دیکھ لو اُنکی گردن قدرے بائیں طرف کو مڑی ہوئی نظر آئے گی۔ موت جو تکبر کی ڈھانیوالی مشہور ہے اسکی کجی کو بھی وہی نکال دیا کرتی ہے +

(۵) خانہ زاد خدا کچھ ہمارا رکھا ہوا نام نہیں ہے بلکہ خود بدولت نے فرمایا ہے: اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَ اَخُوْ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ اَنَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ لَا یَقُوْلُھَا غَیْرِیْ اِلَّا کَاذِبٌ مُّفْتَرٍ "میں ہوں بندۂ خدا اور میں ہوں خدا کے رسول کا بھائی اور میں ہوں صدیقِ اکبر" میرے سوا یہ قول کوئی کہیگا ہی نہیں سوائے اُس کے جو جھوٹ بولنے والا اور خدا و رسول پر بہتان باندھنے والا ہو" اس پوری حدیث کی تفصیل تو انشاء اللہ ہمارے مضمون "کاذبِ دوشِ رسول" میں آجائیگی، مگر یہاں اتنا بیان کردینا کافی ہے کہ کسی نے جناب امام جعفر صادق ع سے دریافت کیا کہ یا ابن رسول اللہ خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مختلف موقعوں پر اپنا عبد فرمایا ہے اور جناب رسول خدا کو تو عبد اللہ بھی فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا "اور یہ ضرور ہے کہ جب خدا کا بندہ اُسکی عبادت کو کھڑا ہو جاتا ہے تو لوگ اُسے ہجوم کرکے گھیر لیتے ہیں" نیز عَبْدِنَا "ہمارے بندے" بھی فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ "اور اگر تم کو اس میں کچھ شک ہے جو کچھ ہمنے اپنے بندے پر نازل کیا تو ویسی ہی ایک سورت تم بھی لے آؤ" اور سب سے بڑھکر یہ کہ اُن کے بندہ ہونیکی شہادت تو اُن کے رسول ہونیکی شہادت سے پہلے ہر مسلمان سے دلوائی اور ایک دفعہ نہیں متعدد مرتبہ۔ کیونکہ ہر مسلمان روزانہ پنجوقتہ نماز میں علاوہ دوسری دوسری نمازوں کے تشہد ضرور پڑھتا ہے اور جب تشہد پڑھتا ہے تو جہاں اُسمیں گواہی دیتا ہے کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ "میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی

لہ معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے اور اُسکا کوئی شریک نہیں ہے" تو میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْ لُهٗ "اور میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ محمد اُس کے بندے بھی ہیں اور اُس کے رسول بھی" لہٰذا اسپر بھی جناب علیؑ مرتضٰے کا یہ فرمانا کہ بندۂ خدا میں ہوں اور میرے سوا کوئی یہ دعوے کرتا ہی نہیں سوائے اُسکے جو جھوٹا اور افترا بندی کرنیوالا ہو۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ تم عرب ہو۔ عربی زبان جاننے کے مدعی ہو، مگر پھر عربی سے نابلد ہو۔ لفظ عبد کے سب معنی تو بیان کرو۔ سوال کرنیوالا جب بعض معنی بیان کرکے خاموش ہو رہا تو حضرتؑ نے فرمایا کیوں کیا اسکے معنی خانہ زاد نہیں ہیں؟ اقرار کرنا پڑا کہ ضرور ہیں۔ فرمایا بس تو علیؑ مرتضٰے کا دعوے ثابت ہوگیا۔ وہ حضرت فرماتے ہیں کہ **عَبْدُ اللّٰهِ یعنی خانہ زادِ خدا** میں ہی ہوں۔ میرے سوا یہ دعوے کوئی کرتا ہی نہیں سوائے اُسکے جو جھوٹا ہو (اگر اپنے لیے دعوے کرے) اور مفتری ہو یعنی بہتان باندھنے والا ہو (اگر دوسرے کے لیے کرے)۔

حکیم ابنِ حزام نے نہ کبھی فخر کیا نہ دعوے۔ لہٰذا وہ تو بری رہیگا مگر اُس کی جانب سے جس جس نے وکالت کرکے اُسے خانہ زادِ خدا کا مدِمقابل بنانا چاہا اُن سب کو مفتری ہونیکی سند ملیگی، اور عدالت الٰہیہ سے جو سزا تجویز ہو۔

اب اس کے متعلق ایک شبہ اور باقی رہ جاتا ہے جو پورب کے کسی شہر میں غالباً فیض آباد یا جونپور میں ۱۹۰۵ء میں پیش کیا گیا تھا کہ اس سے تو جناب علیؑ مرتضٰے کا معاذ اللہ جناب رسولِ خدا سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے کہ اُن کو تو خدا تعالےٰ نے عام شہر میں پیدا کیا اور اِن کو خاص گھر میں۔ فقیر نے جو جواب اس کا فوراً دیا تھا وہ یہ تھا کہ یہ آپکا شبہ ہی شبہ ہے، اکثر خصوصیات ایسی ہوا کرتی ہیں کہ بادی النظر میں دلیل فضیلت معلوم ہوتی ہیں مگر اُن سے بحیثیت مجموعی افضل ہونا لازم نہیں ہوتا۔ مثلاً جناب امام حسین علیہ السلام کا جناب رسولِ خدا سے یہ عرض کرنا کہ نانا جان! بھلا جو بزرگی میری والدۂ ماجدہ کو حاصل ہے آپکی والدہ اس شان کی ہیں؟ یا جس رتبہ و عزت کے میرے والد ماجد ہیں حضور کے والد وہ رتبہ رکھتے ہیں؟ یا جس شان و شوکت کے میرے نانا ہیں حضور کے نانا بھی ایسے ہیں؟ اب فرمائیے یہ کلام سچا۔ یہ مفاخرت صحیح اور یہ خصوصیات واقعی ہیں یا نہیں؟ مگر کیا ان سے نواسا خود نانا سے افضل ہوگیا؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!! ان تمام بزرگیوں کا موجب ہی نانا ہیں، پھر اُن سے افضل کوئی کیسے ہوجائیگا۔

نانا کی تمام بزرگیوں کا وارث نواسا تھا اور نواسے کی تمام مفاخرت کا باعث نانا تھے۔ اسی طرح خود جناب رسالتمآبؐ نے جناب امیرالمومنینؑ سے فرمایا تھا کہ "یا علیؑ! تمکو چند خصوصیتوں سے خداتعالیٰ نے ممتاز فرمایا ہے جو مجکو بھی نہیں عطا فرمائیں مثلاً (ا) تمکو ایسی زوجہ عطا کی ہے جو سیدۃ نساء العالمین ہے میری کوئی زوجہ اس شان کی نہیں ہے (ب) تمہاری صلب سے حسنؑ و حسینؑ جیسے بیٹے خداتعالیٰ نے پیدا کیے میری صلب سے اس شان کے بیٹے نہیں دیے۔ (ج) تمہارا خسر اس شان اس رتبہ۔ اس عزت اس شوکت کا ہے کہ میرا کوئی خسر بھی ایسا نہیں۔ (د) تم کو خود خداتعالیٰ نے اپنے گھر میں ولادت کی جگہ عطا کی جو مجھے نہیں عطا فرمائی۔"

ان خصوصیتوں کو جناب رسولِ خدا کے بیان ہی سے تو ہمنے خصوصیت و فضیلت سمجھا۔ پھر جن پر سب فضائل شروع و منتہی ہوتے ہوں ان سے کوئی افضل و اشرف ہو کیونکر جائیگا؟ خداتعالیٰ کی جتنی مصلحتیں اس فضیلت کے عطا کرنے میں ہوں ان سب کو تو وہ خود جانے یا الرّاسِخُونَ فِی العِلم جانیں لیکن دو باتیں تو مولائے دوجہان کا غلام بھی عرض کیے دیتا ہے۔ نبی کو عام شہر میں اور وصی کو خاص گھر میں پیدا کرکے یہ ایما فرما دیا کہ نبی کو ماننے والے عام ہونگے اور وصی کو ماننے والے خاص پس اگر در خانہ کس ہست اور احرفے بس ہست۔ دوسرے چونکہ جناب رسولخدا کی عزت و شان کا کوئی بندہ ہوا ہی نہیں اور انکی بیٹی صرف ایک پھر وہ بھی جس رتبہ و منزلت کی ہے ظاہر ہے تو ایسے نبی کا داماد اور ایسی معزز عورت کا شوہر کس شان اور کس پایہ کا ہونا چاہیے؟ خداتعالیٰ کی شان اس سے تو ارفع و اعلیٰ و منزہ و برتر ہے کہ اس کی کوئی بیٹا ہو مگر کم از کم خدا کا خانہ زاد تو ہونا چاہیے۔ چنانچہ تھا جیسا کہ خواجہ معین الدین حسن چشتی۔ سجزی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

در مرتبۂ علیؑ نہ چون است و نہ چند
در خانۂ حق زاد۔ خدا را سوگند
ہر لا ولدے کہ خانہ زادے دارد
شک نیست کہ باشدش بجائے فرزند

نوٹ:۔ صوفی کچھ کہیں نصیری کچھ کہیں مگر مومنین اپنے مولا کا اصلی قول یاد رکھیں "اَنَا عَبدُ اللہِ" میں **خانہ زادِ خدا ہوں**۔

راقم۔ خادم ثقلین۔ ماہ رجب ۱۳۳۳ھ